سنّتِ خلفائے راشدین

جناب مولانا امین احسن اصلاحی

[ترجمان القرآن شمارہ ماہ اکتوبر ۱۹۵۵ء میں جناب مولانا امین احسن اصلاحی کا جو مضمون حدیث سے متعلق چند سوالات کو صاف کرنے کے لیے شائع ہوا تھا اسے پڑھکر ایک صاحب نے مولانا سے یہ دریافت کیا ہے کہ سنت کو معلوم کرنے کے ذرائع میں آپ نے خلفائے راشدین کے تعامل کو بھی گنوایا ہے اور دلیل میں یہ فرمودہ رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وسلم) پیش کیا ہے کہ علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین، سو یہ قول کہاں سے ماخوذ ہے اور آجکل "خلفائے راشدین" کی اصطلاح سے ذہن بن خلفائے اربعہ کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ کیا خود آنحضور صلعم کا معہود ذہنی بھی یہی تھا، نیز کیا خلفائے راشدین کے الفاظ اس دور میں اسی طرح مستعمل تھے؟ جواباً مولانا امین احسن صاحب اصلاحی نے جو تصریحات کی ہیں وہ ایک مستقل مضمون کی شکل اختیار کر گئی ہیں جو درج ذیل ہے۔ (ادارہ)]

جواب۔ "علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین" محض کسی "عبارت" کا ایک ٹکڑا نہیں ہے، بلکہ یہ

(بقیہ تفہیم القرآن)

اور اُن طور طریقوں کو صحیح و برحق سمجھتے ہیں جو انہوں نے غیر مسلم قوموں سے سیکھے ہیں۔ یہ لوگ درحقیقت مسلمان نہیں ہیں، کیونکہ اس کے بعد بھی اگر وہ مسلمان ہوں تو پھر اسلام اور کفر کے الفاظ قطعاً بے معنی ہو جاتے ہیں۔ اگر یہ لوگ اپنے نام بدل دیتے اور علانیہ اسلام سے نکل جاتے تو ہم کم از کم ان کی اخلاقی جرأت کا اعتراف کرتے۔ لیکن ان کا حال یہ ہے کہ یہ خیالات رکھتے ہوئے بھی وہ مسلمان بنے پھرتے ہیں۔ انسانیت کی اس سے زیادہ ذلیل قسم غالباً دنیا میں اور کوئی نہیں پائی جاتی۔ اس سیرت و اخلاق کے لوگوں سے کوئی جعل سازی، کوئی فریب، کوئی دغابازی اور کوئی خیانت بھی خلافِ توقع نہیں ہے۔

ایک طویل حدیثِ نبویؐ کا ایک حصہ ہے، جو احمد، ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ کے حوالہ سے مشکوٰۃ کے باب الاعتصام بالکتاب والسنہ میں، عرباض بن ساریہ سے، بایں الفاظ نقل ہوئی ہے:-

عن العرباض بن ساریۃ قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات یوم ثم اقبل علینا بوجھہ فوعظنا موعظۃ بلیغۃ ذرفت منھا العیون ووجلت منھا القلوب فقال رجل یارسول اللہ کان ھذہ موعظۃ مودع فاوصنا فقال اوصیکم بتقوی اللہ والسمع والطاعۃ وان کان عبداً حبشیاً فانہ من یعش منکم بعدی فسیری اختلافاً کثیراً فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ۔

عرباض بن ساریہ سے روایت ہے۔ انہوں نے بیان کیا کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی، پھر حضور ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ایک نہایت موثر خطبہ دیا جس سے آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور دل کانپ اٹھے۔ مجمع سے ایک شخص بولا، حضور! یہ تو ایک وداعی خطبہ معلوم ہوتا ہے تو ہمیں کچھ وصیت کیجیے۔ آپ نے فرمایا میں تمہیں اللہ سے ڈرتے رہنے اور اپنے صاحب امر کی بات ماننے اور اس کی اطاعت کرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں، اگرچہ تمہارا صاحب امر کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ تم میں سے جو لوگ میرے بعد زندہ رہیں گے وہ اب اور تب میں بڑا فرق محسوس کریں گے تو تم میری سنت کی اور خلفائے راشدین مہدیین کی سنت کی پیروی کرنا، ان کو مضبوطی سے تھامنا اور دانت سے پکڑنا۔ اور دین میں جو نئی باتیں گھسائی جائیں ان سے خبردار رہنا کیونکہ ہر ایسی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

اس حدیث میں دیکھ لیجیے "سنۃ الخلفاء الراشدین" کے الفاظ صاف موجود ہیں، بلکہ راشدین کے بعد ایک لفظ "مہدیین" کا اضافہ بھی ہے۔ اس میں نہایت واضح الفاظ میں حضورؐ نے اپنی سنت کے ساتھ خلفائے راشدین کی سنت کا ذکر بھی فرمایا ہے اور اپنی سنت ہی کی طرح اس پر قائم رہنے کی وصیت بھی فرمائی ہے۔

رہا یہ سوال کہ جس طرح آج خلفائے راشدین کا لفظ جب بولا جاتا ہے تو اس سے خلفائے اربعہ مراد

ہوتے ہیں اسی طرح جب حضور نے یہ الفاظ استعمال فرمائے تو کیا اس وقت بھی لوگوں نے ان الفاظ سے خلفائے اربعہ ہی کو سمجھا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کلام کی نوعیت ایک واضح اور قطعی حکم کی نہیں ہے بلکہ جیسا کہ خود حدیث سے واضح ہے ایک پیشینگوئی اور ایک وصیت کی ہے اور خلفائے راشدین سے یہاں متعین و مخصوص اشخاص مراد نہیں ہیں، بلکہ آپ کے وہ جانشین مراد ہیں جو آپ کے بعد آپ کی امت کی زمام کار اپنے ہاتھوں میں سنبھالیں گے اور حضور ہی کے طریقہ پر اپنے فرائض انجام دیں گے۔ اس لفظ کے اندر وہ تمام خلفائے راشدین داخل ہیں جو آپ کی امت کے اندر پیدا ہوئے یا آئندہ پیدا ہوں گے اور حکومت کے فرائض صحیح اسلامی طریق پر انجام دیں گے

اگر کسی کو یہ گمان ہو کہ حضور کے ذہن میں اپنے بعد کسی خلافت کے قیام یا خلفاء کے کسی سلسلہ کا کوئی تصور نہیں ہو سکتا تھا تو ہمارے نزدیک یہ گمان بالکل غلط ہے۔ اول تو آپ جس دین حق کے داعی تھے وہ دین کوئی رہبانیت کا دین نہیں تھا کہ وہ کسی سیاسی نظام کے تصور سے بالکل خالی ہو بلکہ اس کے برعکس وہ روز اول ہی سے ایک اجتماعی اور سیاسی نظام کے تقاضوں کے ساتھ نمودار ہوا تھا خود حضور کی زندگی ہی میں اس نے عملاً ایک مکمل سیاسی نظام کی صورت اختیار بھی کر لی تھی اور اس نظام کے اصول و مبادی قرآن میں بھی بیان ہو گئے تھے اور خود حضور نے بھی ان کی وضاحت فرما دی تھی۔ ثانیاً حضور کو آپ کی امت کے مستقبل کا پورا نقشہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہی دکھا دیا گیا تھا۔ چنانچہ متعدد حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس امت کو اپنی اجتماعی زندگی میں جن مراحل اور جن انقلابات سے گذرنا تھا اس کے بہت سے پہلو آپ کے علم میں تھے، آپ جانتے تھے کہ آپ کے بعد مسلمانوں میں کس قسم کا نظام قائم ہوگا، اس کے بعد کیا انقلاب ہوگا اور پھر اس انقلاب کے بعد کیا حالات پیش آئیں گے۔ حد یہ ہے کہ خلفائے اربعہ میں سے جس جس کو جس جس طرح کے حالات پیش آنے تھے حضور نے ان کی طرف بھی اپنی پیشین گوئیوں میں اشارات فرمائے ہیں۔ ہم یہاں بعض حدیثیں نقل کرتے ہیں جن سے اندازہ ہو سکے گا کہ آپ اپنے بعد قائم ہونے والے نظام کی نوعیت سے بھی باخبر تھے اور ان انقلابات سے بھی واقف تھے جن سے اس نظام کو سابقہ پیش آنا تھا۔

عن ابی عبیدۃ و معاذ بن جبل عن رسول اللہ — ابو عبیدہ اور معاذ بن جبل راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم قال ان ھذا الامر بدأ نبوۃ ورحمۃ ثم یکون خلافۃ ورحمۃ ثم ملکا عضوضا ثم کائن جبریۃ وعتوا وفسادا فی الارض یستحلون الحریر والفروج والخمور یرزقون علی ذالک وینصرون حتی یلقوا اللہ۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

(مشکوٰۃ باب تغیر الناس)

علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نظام کا آغاز نبوت اور رحمت کی شکل میں ہوا ہے۔ اس کے بعد یہ خلافت اور رحمت کی صورت اختیار کرے گا، پھر ایک مستبد بادشاہی بن جائیگا پھر قہر و جبر اور فساد فی الارض بن کر رہ جائے گا، لوگ بیشمار زنا اور شراب کو جائز کر لیں گے۔ اس کے باوجود انہیں روزی بھی ملتی رہے گی اور یہ فتوحات بھی حاصل کرتے رہیں گے یہاں تک کہ یہ اللہ کے ہاں حاضر ہوں۔

ایک دوسری حدیث میں بعد کے انقلابات اور ادوار کی تفصیل اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان ہوئی ہے، ملاحظہ ہو۔

عن حذیفۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکون النبوۃ فیکم ما شاء اللہ ان تکون ثم یرفعھا اللہ تعالیٰ ثم تکون خلافۃ علی منھاج النبوۃ ما شاء اللہ ان تکون ثم یرفعھا اللہ تعالیٰ ثم تکون ملکا عاضا فتکون ما شاء اللہ ان تکون ثم یرفعھا اللہ تعالیٰ ثم یکون ملکا جبریۃ فتکون ما شاء اللہ ان تکون ثم یرفعھا اللہ تعالیٰ ثم تکون خلافۃ علی منھاج نبوۃ ثم سکت ... رواہ احمد والبیہقی فی دلائل النبوۃ

(مشکوٰۃ باب الانذار والتحذیر)۔

حذیفہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں نبوت باقی رہے گی جب تک اللہ تعالیٰ اس کا باقی رہنا چاہے پھر اس کو اللہ تعالیٰ اٹھا لیگا۔ اس کے بعد نبوت کے طرز پر خلافت قائم ہوگی اور وہ قائم رہے گی جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا پھر اللہ تعالیٰ اس کو اٹھا لیگا اس کے بعد ایک مستبد سلطنت قائم ہو جائے گی اور وہ قائم رہے گی جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا پھر اللہ تعالیٰ اس کو اٹھا لیگا۔ پھر جبر و قہر کی حکومت قائم ہوگی اور وہ قائم رہے گی جب تک اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کو اٹھا لیگا۔ اس کے بعد نبوت کے طریق پر پھر خلافت قائم ہوگی۔ یہاں تک بیان کرنے کے بعد حضور خاموش ہو گئے۔

اس حدیث میں خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے بعد پیدا ہونے والے بگاڑ کے بعد پھر ایک دورِ خلافت علیٰ منہاج

النبوۃ کی پیشین گوئی ہے۔ اس کا مصداق ہمارے سلف صالحین نے حضرت عمر بن عبد العزیز کے دور کو قرار دیا ہے اور اس کے بعد حضور کے سکوت فرمانے سے بعض لوگوں نے یہ نتیجہ بھی نکالا ہے کہ اس کے بعد بھی بناؤ اور بگاڑ اسی طرح کے دور آتے رہیں گے۔ چنانچہ تاریخ کی شہادت موجود ہے کہ اس کے بعد اچھے حکمران بھی پیدا ہوئے اور برے بھی پیدا ہوئے اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ اب یہ فیصلہ کر لیا جائے کہ آئندہ کبھی اس دنیا میں خلافت علیٰ منہاج النبوت کا دور نہیں آئے گا۔ نہ نقل میں ہمیں کوئی چیز ایسی ملتی ہے جو اس کا دروازہ بند کرتی ہو اور نہ عقلاً اس کا آنا کسی طرح محال اور مستبعد قرار دیا جا سکتا ہے۔

اسی مضمون کی ایک دوسری حدیث انہی حضرت حذیفہ سے مسلم و بخاری دونوں کے حوالہ سے مشکوٰۃ کی کتاب الفتن میں اس طرح نقل ہوئی ہے۔ حضرت حذیفہ فرماتے ہیں۔

لوگ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر کی بابت پوچھا کرتے تھے لیکن میں فتنوں کی بابت سوال کیا کرتا تھا کہ مبادا کسی فتنہ سے سابقہ نہ پڑ جائے۔ ایک مرتبہ میں نے حضور سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ، ہم جاہلیت اور فتنہ کی تاریکی میں مبتلا تھے کہ اللہ نے ہمیں یہ نبوت کی نعمت بخشی۔ کیا اس خیر کے بعد پھر بگاڑ پیدا ہوگا؟ آپ نے ارشاد فرمایا ہاں۔ میں نے عرض کیا کہ کیا اس بگاڑ کے بعد پھر خیر کا دور بھی آئیگا؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ لیکن اس خیر میں کچھ کدورت بھی ملی ہوئی ہوگی۔ میں نے پوچھا اس کدورت کی نوعیت کیا ہوگی؟ آپ نے ارشاد فرمایا لوگ میری سنت اور میرے طریقہ کے خلاف روش اختیار کریں گے۔ ان سے معروف اور منکر دونوں طرح کی باتیں صادر ہونگی۔ میں نے دریافت کیا کیا اس خیر کے بعد پھر شر کا ظہور ہوگا؟ آپ نے فرمایا ہاں . . . ''

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ پر حضرت عمر بن عبد العزیز کے دور سے متعلق یہ حقیقت بھی واضح تھی کہ اس دور میں اگرچہ خلیفہ تو راشد ہوگا لیکن وقت کے حکام اور عوام کی حالت شر کی کدورت سے پاک نہیں ہوگی، ان کے اندر معروف اور منکر دونوں طرح کی باتیں پائی جائیں گی۔

بعض احادیث میں خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے پہلے دور کی مدت بھی حضور نے متعین فرما دی۔ چنانچہ مشکوٰۃ میں احمد، ترمذی اور ابوداؤد کے حوالہ سے یہ روایت نقل ہوئی ہے۔

الخلافۃ ثلاثون سنۃ ثم یکون ملکاً خلافت تیس سال تو قائم رہے گی اس کے بعد بادشاہی قائم

ہو جائیگی۔

تاریخ سے ثابت ہے کہ حضور کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت ۲ سال رہی، حضرت عمرؓ نے ۱۰ سال خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالیں، حضرت عثمانؓ اور حضرت علی بالترتیب ۱۲ اور ۶ سال خلیفہ رہے۔ یہ کل ملا کر ۳۰ سال ہوتے ہیں۔

ان احادیث سے یہ حقیقت بالکل واضح ہے کہ حضور کا ذہن، جیسا کہ عرض کیا گیا، نہ خلافت کے تصور سے خالی تھا اور نہ خلفاء کے تصور سے۔ آپ جس دین فطرت کو لے کر آئے تھے اس کے فطری تقاضوں سے اچھی طرح واقف تھے۔ نیز جیسا کہ اوپر بیان ہوا آپ کے بعد جس طرح کا سیاسی و اجتماعی نظام امت میں قائم ہونا تھا اس کے اصول خود قرآن میں بھی بتا دیئے گئے تھے اور ان کی تفصیلات خود حضور نے بھی مختلف طریقوں سے لوگوں کو سمجھائی تھیں۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان تمام انقلابات کا مشاہدہ بھی کرایا تھا جو آپ کی امت کی اجتماعی و سیاسی زندگی میں پیش آنے والے تھے۔ یہاں تک کہ یہ بھی آپ پر واضح کر دیا گیا تھا کہ آپ کے بعد جو لوگ خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالیں گے وہ اس فرض کی ادائیگی میں کن صلاحیتوں کا ثبوت دیں گے اور ان کو کن کن مراحل سے گزرنا پڑے گا۔ اگر خوف طوالت مانع نہ ہوتا تو ہم یہ تفصیلات بھی یہاں پیش کر دیتے۔

جب یہ ساری باتیں حضور پر روشن تھیں تو اس بات پر کیوں تعجب کیا جائے کہ آپ نے علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین کے الفاظ کے ساتھ خلفاء کے دور کے ظہور میں آنے سے پہلے اس کا تعارف کرایا اور ان کی سنت کی پیروی کرنے کی مسلمانوں کو وصیت فرمائی؟

آپ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ عام مسلمانوں کا ذہن ان الفاظ کو سن کر ان سے تعین کے ساتھ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کی طرف نہیں منتقل ہو سکتا تھا لیکن حضور کے ارشاد میں نہ یہ تعین پیش نظر ہے اور نہ یہ الفاظ اس تعین کے متقاضی ہی ہیں اور نہ ہی اصل وصیت کے نقطۂ نظر سے یہ تعین کچھ ضروری ہے۔ عام مسلمانوں کا اس سے صرف اتنا سمجھ لینا اصل مقصد کے لحاظ سے بالکل کافی تھا کہ آپ کے بعد امت کی ذمہ داریوں کو اٹھانے کے لیے خلفاء ہونگے جن میں راشد بھی ہونگے اور غیر راشد بھی۔ اور ہمیں ان میں سے راشدین کی سنت کی پیروی کرنی ہے اور غیر راشدین کے ساتھ شریعت کے

مقررہ کردہ حدود کے اندر معاملہ کرنا ہے۔

خلفائے راشدین کے تعامل کے سنت ہونے کا مفہوم | یہاں میں تھوڑی سی وضاحت اس بات کی بھی کر دینا چاہتا ہوں کہ خلفائے راشدین کے تعامل کے سنت ہونے کا مفہوم کیا ہے اور اس کو سنت کا درجہ دینے کی وجہ کیا ہے؟

میں نے اپنے اصل مضمون میں سنت اور حدیث میں جو فرق بیان کیا ہے وہ یہاں بھی ملحوظ رکھیے۔ میں نے بتایا تھا کہ حدیث تو ہر وہ قول یا فعل یا تقریر ہے جس کی روایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کے ساتھ کی جائے لیکن سنت صرف وہی چیزیں ہیں جن کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر اہتمام و التزام کیا ہو، جن کی اہمیت کے ساتھ تاکید فرمائی ہو، جن کی حیثیت آپ کی زندگی میں معلوم و معروف حقیقتوں کی ہو، جن کو حضور نے انفرادی یا اجتماعی زندگی کے لیے ایک رویہ، ایک مسلک اور ایک پروگرام کی حیثیت سے لوگوں کے سامنے رکھا ہو اور اسی حیثیت سے ان پر عمل کیا اور کرایا ہو۔

اس حقیقت کو سامنے رکھنے کے بعد جب آپ خلفائے راشدین کی سنت کے معاملہ پر غور فرمائیں گے تو جہاں تک ان کے انفرادی اعمال و آراء کا تعلق ہے وہ ان کی سنت کی حیثیت نہیں حاصل کریں گے، بلکہ ان کی صرف وہی چیزیں ان کی سنت کی حیثیت حاصل کریں گی جو ان کے سامنے ایک مسئلہ کی حیثیت سے آئی ہوں اور انہوں نے ان پر اپنے وقت کے اہل علم اور ارباب حل و عقد سے مشورہ حاصل کر کے ان کے بارہ میں کوئی فیصلہ کیا ہو یا بطور خود اپنے کسی فیصلہ یا اجتہاد کو نافذ کیا ہو اور ان کے زمانہ کے اہل علم و تقویٰ نے اس کو بغیر کسی نکیر کے قبول کیا ہو اور وہ چیز معمول بہ بن گئی ہو۔

حضرات خلفائے راشدین کا عام طریقہ یہ رہا ہے کہ جب ان کے سامنے کوئی ایسا معاملہ آتا جس کے بارے میں قرآن یا سنتِ نبوی میں کوئی تصریح موجود نہ ہوتی تو اس میں اہلِ علم و تقویٰ سے مشورہ کرتے۔ مشورے کے بعد جب ایک بات طے کر لیتے تو وہ چیز سب کے نزدیک متفق علیہ بن جاتی۔ پھر اگر اس کو پورے ملک کے لیے ایک قانون کی حیثیت دے دینے کی ضرورت داعی ہوتی تو وہی چیز پورے ملک کے لیے ایک قانون کی حیثیت حاصل کر لیتی۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانوں میں اس کی بے شمار

مثالیں موجود ہیں۔ اسلام میں اجماع جو حجت مانا گیا ہے تو اس کی معیاری شکل بھی درحقیقت یہی ہے جو اوپر بیان ہوئی ہے۔ اس حقیقت کی طرف شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ازالۃ الخفا میں اشارہ فرمایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"و تحقیق آنست کہ تا زمان حضرت عثمان اختلاف در مسائل فقہیہ واقع نمی شد۔ در محل اختلاف بخلیفہ رجوع می کردند و خلیفہ بعد مشاورت امرے اختیار می کرد و ہماں امر مجمع علیہ می شد"

اور تحقیق یہ ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک فقہی مسائل میں کسی مستقل اختلاف کی صورت پیدا نہیں ہونے پاتی تھی۔ اگر کوئی اختلافی مسئلہ سامنے آتا تو اس کے لیے خلیفہ وقت کی طرف رجوع کرتے، خلیفہ اپنے وقت کے اہل حل و عقد سے مشورہ حاصل کرنے کے بعد اس معاملہ میں کوئی پہلو اختیار کر لیتا اور وہی بات سب کے نزدیک متفق علیہ بن جاتی۔

میرے نزدیک سنتِ خلفاء سے مراد ان کے اسی طرح کے اجماعی فیصلے ہیں، نہ کہ ان کی انفرادی رائیں۔

اب میں یہ بتاؤں گا کہ میں خلفائے راشدین کے اس طرح کے طے کردہ مسائل کو کیوں سنت کا درجہ دیتا ہوں۔ میرے نزدیک اس کے وجوہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ اس کی پہلی وجہ تو وہ حدیث ہے جو اوپر گزر چکی ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود خلفائے راشدین کی سنت کو سنت کا درجہ بخشا ہے اور اسی حیثیت سے مسلمانوں کو اس پر عمل پیرا ہونے کی ہدایت اور وصیت فرمائی ہے۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اجماع ہمارے ہاں ایک شرعی حجت کی حیثیت رکھتا ہے اور اجماع کی سب سے اعلیٰ قسم اگر کوئی ہو سکتی ہے تو وہی ہو سکتی ہے جس کی مثالیں خلفائے راشدین کے عہد میں ملتی ہیں۔ اول تو یہ خیر القرون کے لوگوں کا اجماع ہے جن کی حق طلبی و حق کوشی ہر شبہ سے بالاتر ہے۔ ثانیاً اسی مبارک دور میں عملاً یہ شکل اختیار کی جا سکی کہ اگر کوئی مسئلہ پیش آیا تو اس میں وقت کے اہل علم اور صالحین کی رائیں معلوم کی گئیں اور پھر ایک متفق علیہ بات طے کر کے ایک خلیفہ راشد نے اس کو جاری و نافذ کیا اور سب نے اس پر بغیر کسی اختلاف و اعتراض کے عمل کیا۔

۳۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ ابتدا سے خلفائے راشدین کے تعامل کو ملت میں ایک مستقل شرعی حجت کی حیثیت دی گئی ہے۔ سعید ابن مسیب کی فقہ میں حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے فیصلوں کو ایک اصولی چیز کی حیثیت سے تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اسی طرح ابراہیم نخعی کی فقہ میں حضرت علیؓ کے فیصلوں کو ایک مستقل جگہ حاصل ہے۔ یہی اعتماد ہر مسلمان کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے فیصلوں پر ہے۔ اس لحاظ سے دیکھیے تو فقہ مالکی ہو یا فقہ حنفی، ہر ایک کے اندر خلفائے راشدین کے تعامل کو سنت ہی کی حیثیت سے جگہ دی گئی ہے۔

۴۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ دین کی تکمیل اگرچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہوئی ہے لیکن امت کی اجتماعی زندگی میں اس کے مضمرات کا پورا پورا مظاہرہ حضرات خلفائے راشدین کے ہاتھوں ہوا۔ انہی کے مبارک دور میں اسلام کے تمام ادیان پر غلبہ کا قرآنی وعدہ پورا ہوا اور اسلامی شریعت کے بہت سے احکام کا انطباق زندگی کے معاملات میں عملاً متعین ہوا۔ اس پہلو سے خلفائے راشدین کا دور گویا عہد رسالت ہی کا ایک ضمیمہ ہے اور ہمارے لیے وہ پورا انتظام ایک مثالی نظام ہے جو ان کے مبارک ہاتھوں سے قائم ہوا۔ پس اس دور میں جو نظائر قائم ہو چکے ہیں وہ ہمارے لیے دینی حجت کی حیثیت رکھتے ہیں اور ہمارے لیے ان سے انحراف جائز نہیں ہے۔ اس کلیہ سے اگر کوئی چیز مستثنیٰ ہو سکتی ہے تو صرف وہ چیز ہو سکتی ہے جو محض کسی وقتی مصلحت کے تحت انہوں نے اختیار فرمائی ہو۔